آغازِ نزولِ قرآن کی تاریخ کا تعین

محمد عارف خان ساقی *

ABSTRACT:

Qur'an is the blessing for mankind and is one of the fundamental sources of guidance. Qur'an was revealed on the heart of Prophet Muhammad (S.A.W.) during 23 years of his life. One of the questions regarding Qur'an is the exact timing of the beginning of its revelation. This article discusses the possible answer using different historical sources.

قرآن حکیم کا نازل ہونا بارانِ رحمت کے نزول کی مانند تھا۔

مگران مبارک ومسعود لمحات کی شروعات کب ہوئی؟ مختلف قیاسات وخیالات زیرِ گردش ہیں۔شہرت کے باعث کوئی ایک قول مقبول اور رائج وشائع تو ہو جاتا ہے مگر شرحِ صدر جب تک نہ ہو بات ادھوری اور بحث جاری ہی رہتی ہے۔یوں قیاس آرائیوں کا سلسلہ تھمنے میں نہیں آتا۔قضیہ کوئی ایک ہو تو ایک قوم کے بھاری وجود کو اس کی مطلق پروا نہیں ہوتی۔مگر یہ چر کے جب شمار سے باہر ہو جائیں تو ساری توانائی ان راہوں سے نکل جاتی ہے، قوموں کا ارتقا رک جاتا ہے اور بقا خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ملتِ اسلامیہ کے ساتھ یہی کچھ ہوا بھی۔اب صدیوں بعد اسے ایک نئی زندگی ملی ہے۔اور فی زمانہ یہ امت ایک ایسے دور سے گزر رہی ہے کہ نشأۃِ نو کے بعد نئی بنیادوں کو مضبوط کیا جا رہا ہے۔نئے تقاضے اور نئے سوالات جنم لے رہے ہیں اور اہلِ علم اور اصحابِ فہم ودانش کی مقدور بھر کوشش ہے کہ ہر قضیے کا کوئی مناسب ومتوازن سب کے لیے قابلِ قبول حل تلاش کیا جا سکے۔ایسے حالات میں سب سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ اپنی نسلِ نو کو تذبذب اور تردد کی دلدل میں اترنے اور پھنس کر رہ جانے سے کیسے بچایا جائے؟ اقوال وآراء کی کثرت اور تنوع ہمارے ادبِ عالی کی پہچان بن کر رہ گئی ہے۔بہت مرتبہ تو مطالعہ کی قلت عقیدے کی پختگی کا باعث ہوتی ہے۔اور اگر کوئی مزید اور بہتر معلومات کی جستجو میں آگے بڑھ کر چند اَور کتابوں کا مطالعہ کر لیتا ہے تو اس کے پاس جو یقین کی نعمت اس سے قبل تھی وہ بھی سلامت نہیں رہ پاتی۔آدمی سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ کس قول یا رائے کو لے اور کسے چھوڑ دے؟ حضور رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی تاریخ کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔بالآخر علامہ شبلی نعمانی نے متقدمین کے اقوال وآراء سے

* ڈاکٹر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ، جامعہ کراچی برقی پتا: dr_ma_saqi@yahoo.com

تاریخِ موصولہ: ۱۱ر مئی ۲۰۱۲ء

کلی طور پر صرفِ نظر کرتے ہوئے مصر کے ایک معروف ہیئت داں محمود پاشا فلکی کی تحقیق کو اختیار کیا۔ اور سید سلیمان ندوی نے بھی حاشیے پر اسی انتخاب کی تائید وتوثیق کی ہے(۱)۔ اس طرح اس عقدہ کشائی کا سہرا محمود پاشا فلکی کے سر جاتا ہے۔

سطورِ ذیل میں ہم نزولِ قرآن حکیم کی انہی مبارک ساعتوں کے تعین کے سلسلے میں چند معتبر ومتداول مانے جانے والے مآخذ سے رجوع کریں گے۔ اور موضوع سے متعلق دلائل کا جائزہ لیتے ہوئے اس امر عظیم کے وقوع پذیر ہونے کے دن، تاریخ اور مہینہ کی تعیین سے متعلقہ امور کا مطالعہ کریں گے۔ قبل ازیں اہل علم کے اقوال وآراء پر ایک نظر ڈال لینا مناسب ہوگا۔

علامہ غلام رسول سعیدی، ابن عساکر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے ابراہیم علیہ السلام پر صحائف رمضان کی پہلی شب میں نازل کیے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات رمضان کی چھٹی شب میں نازل کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل رمضان کی اٹھارویں شب میں نازل کی اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن رمضان کی چوبیسویں شب میں نازل کیا۔(۲)

علامہ قرطبی نے جو روایت نقل کی ہے، متذکرہ بالا روایت کے مماثل ہے مگر دونوں میں بظاہر معمولی مگر بباطن ایک اہم اور بڑا فرق بھی ہے۔ اور دیکھا جائے تو اہل تحقیق کے لیے قرینۂ چشم کشا ہے۔ لکھتے ہیں:

> وَ رَوٰی وَاثِلَةُ بْنُ الْاَسْقَعِ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّہٗ قَالَ: اُنْزِلَتْ صُحُفُ اِبْرَاھِیْمَ اَوَّلَ لَیْلَةٍ مِّنْ شَھْرِ رَمَضَانَ. وَالتَّوْرَاةُ لِسِتٍّ مَّضَیْنَ مِنْهُ. وَالْاِنْجِیْلُ لِثَلَاثَ عَشْرَةَ. وَالْقُرْاٰنُ لِاَرْبَعَ وَ عِشْرِیْنَ.(۳)
>
> ’’حضرت واثلہ بن اسقع سے مروی ہے۔ وہ روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپؐ نے فرمایا: صحفِ ابراہیمی ماہِ رمضان کی پہلی شب میں نازل ہوئے۔ اور اسی ماہ کی چھ راتیں گزر چکی تھیں کہ تورات نازل ہوئی۔ اور انجیل رمضان کی تیرھویں شب میں نازل ہوئی۔ اور قرآن چوبیسویں شب میں نازل ہوا۔‘‘

ابن عساکر کے بیان کی رو سے انجیل کا نزول اٹھارہویں رمضان کی شب سے شروع ہوا ہے۔ علامہ قرطبی کا جس روایت پر اعتماد ہے اس کی رو سے پانچ دن کا فرق آجاتا ہے اور نزول تیرہویں شب سے شروع ہوتا ہے۔ جبکہ علامہ آلوسی ’’اَلَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ‘‘ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> أَیْ اُبْتُدِئَ فِیْهِ اِنْزَالُهٗ. وَ کَانَ ذٰلِکَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ. قَالَهُ ابْنُ اِسْحٰقَ.(۴)
>
> ’’یعنی اس میں اس کے نزول کی ابتدا ہوئی۔ اور یہ آغاز لیلۃ القدر کو ہوا۔ یہ قول ابنِ اسحٰق کا ہے۔‘‘

یکے از متقدمین اور معروف سیرت نگار علامہ ابن اسحٰق، جن کے قول کو بنیاد بناتے ہوئے علامہ آلوسی جیسے متبحر عالم اور

معروف مفسر قرآن نے متذکرہ بالا موقف اختیار کیا ہے، نے حسبِ ذیل صورت میں اپنے دلائل کو یکجا کیا ہے۔ پھر کوئی واضح نتیجہ نکالنے یا دوٹوک موقف اختیار کرنے کی بجائے اپنی گفتگو کے آخر میں غزوۂ بدر کے وقوع پذیر ہونے سے متعلق آیتِ مبارکہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہہ کر بات کو سمیٹ لیا کہ غزوۂ بدر رمضان المبارک کی سترہ تاریخ کو پیش آیا تھا۔ اقتباس ملاحظہ کیجئے:

قَالَ ابْنُ اِسْحٰقَ فَابْتُدِئَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم بِالتَّنْزِیْلِ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ. یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ: "شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ" (البقرۃ:۱۸۵) وَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: "اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ، وَمَا اَدْرٰکَ مَا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ، لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ، تَنَزَّلُ الْمَلٰئِکَۃُ وَ الرُّوْحُ فِیْھَا بِاِذْنِ رَبِّھِمْ مِّنْ کُلِّ اَمْرٍ سَلَامٌ، ھِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ" (سورۃ القدر: کاملاً) وَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: "حٰمٓ، وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ، اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ فِی لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ، فِیْھَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ، اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا کُنَّا مُرْسِلِیْنَ" (الدخان: ۱۔۵) و قال تعالٰی: "اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰہِ وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعَانِ" وَ ذٰلِکَ مُلْتَقٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَالْمُشْرِکِیْنَ بِبَدْرٍ. قَالَ ابْنُ اِسْحٰقَ: وَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْ جَعْفَر مُحَمَّدُ بْنُ عَلِیِّ بْنِ حُسَیْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِلْتَقٰی ھُوَ وَ الْمُشْرِکُوْنَ بِبَدْرٍ یَّوْمَ الْجُمُعَۃِ صَبِیْحَۃَ سَبْعَ عَشَرَۃَ مِنْ رَمَضَانَ.(۵)

''ابن اسحاق کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول قرآن کی ماہِ رمضان المبارک میں ابتدا ہوئی۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:"شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ" ... رمضان ہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا لوگوں کی ہدایت کو اور رہنمائی اور فیصلہ کی کھلی اور روشن دلیلوں کے طور پر۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:"اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ" ... حق بات یہ ہے کہ ہم نے ہی اس (قرآنِ حکیم) کو لیلۃ القدر میں اتارا، اور تم کیا جانو کہ لیلۃ القدر ہے کیا، لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے، فرشتے اور روح الامین اترتے ہیں اس رات اپنے رب کی اجازت سے، ہر معاملہ میں سراسر سلامتی ہے، فجر کے طلوع ہونے تک، اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "حٰمٓ، وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ، اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ فِی لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ" ... حٰمٓ، اور قسم ہے کتاب مبین کی حق بات یہ ہے کہ ہم نے ہی اسے ایک برکت والی رات میں اتارا ہے، حق یہ ہے کہ ہم ہی آنے والے خطرات کا

احساس دینے والے ہیں، اس رات ہر حکمت سے معمور معاملہ حتمی طور پر طے کر لیا جاتا ہے، ہر وہ معاملہ جس کا تعلق ہماری بارگاہ سے ہے، حق یہ ہے کہ ہم ہی رسولوں کو بھیجنے والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ''... اگر تم ایمان لا چکے ہو اللہ پر اور ہر اس چیز پر جسے ہم نے اپنے بندے پر فیصلہ کے دن اتارا، وہ دن کہ جب دو جمعیتیں باہم ٹکرائی تھیں، اور اس سے مراد آپ کا اور مشرکین مکہ کا بدر کے مقام پر ہونے والا آمنا سامنا ہے۔ ابن اسحٰق کا کہنا ہے: اور حدیث بیان کی ہے مجھ سے ابو جعفر محمد بن علی بن حسین نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے مابین بدر کا معرکہ جمعہ کی صبح سترہ رمضان کو ہوا تھا۔''

مندرجہ بالا اقتباس پر ایک عمیق نظر ڈالی جائے تو اس امر میں ذرا شک شبہ نہیں رہ جاتا کہ یہ سب ابن اسحٰق کا ذاتی استدلال اور اخذ واستنباط ہے۔ متعلقہ دلائل یکجا تو کیے ہیں مگر ان کے درمیان کوئی منطقی ترتیب نہیں۔ مزید برآں خصوصیت کے ساتھ نزول قرآنِ حکیم کے باب میں کسی صریح، متصل اور معتبر روایت کے باعث انہوں نے سترہ رمضان المبارک کی جانب اشارہ نہیں کیا ہے۔ ان بے ربط دلائل کو دیکھ کر ہی قاری کو یقین ہو جاتا ہے کہ ایک مربوط طرزِ استدلال کا یہاں فقدان ہے اور نتیجہ خیزی بھی معدوم ہے۔ یا یوں کہیے کہ نتیجہ خیزی اور اخذ واستنباط کو قاری کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ دیگر کمزوریوں سے صرفِ نظر کر بھی لیا جائے تو جمعہ کے دن کی صبح سے نزول قرآن کا قول بھی تفرد کے زمرے میں آتا ہے۔ اور یہ ایسا تفرد ہے جو کہ کھلی صراحتوں، جن کا آگے ذکر آئے گا، کے مقابل ہے۔ لہٰذا راقم کی دانست میں اس پورے اقتباس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ خواہش کے باوجود ابن اسحٰق نزولِ قرآن کے دن اور تاریخ کی تعیین کے باب میں کامل یقین اور پورے وثوق کے ساتھ کچھ کہنے سے قاصر ہیں۔ لہٰذا ان اقوال کی صحت پر کسی اعتماد کی گنجائش ہی کیا رہ جاتی ہے؟

اسی طرح کے تذبذب اور الجھنوں ہی کا نتیجہ ہے کہ اس باب میں نت نئے اور انوکھے مذاہب بھی پیدا ہوئے اور کئی ایک کے نزدیک قابل اعتماد بھی ٹھہرے۔ اس نوع کا ایک عجیب وغریب مذہب اس بارے میں یہ بھی ہے کہ قرآنِ حکیم کا نزول ماہِ رمضان المبارک میں نہیں ہوا ہے۔ چنانچہ ''شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ'' (البقرۃ:۱۸۵) کی تفسیر کرتے ہوئے کچھ علماء کا دھیان اس طرف بھی گیا ہے کہ اس سے مراد یہ نہیں کہ نزولِ قرآنِ حکیم کا آغاز ماہِ رمضان المبارک میں ہوا۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ماہِ رمضان ہی وہ عظمت والا مہینہ ہے جس کی عظمت وفضیلت کے باب میں قرآنِ حکیم نازل ہوا ہے۔ بایں طور قرآنِ حکیم کے نزول کا آغاز ماہِ رمضان المبارک کی مبارک ساعتوں کے ساتھ مختص نہیں رہ جاتا۔ امام فخر الدین رازی اس نکتہ نظر پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سفیان بن عیینہ کا کہنا ہے کہ ''أنزل فیه القرآن'' کا معنی ہے اس کی فضیلت میں قرآن نازل ہوا۔ حسین بن فضل کا مختار مذہب بھی یہی ہے۔ کہتے ہیں یہ کہنا ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے

کہ ''أُنْـزِلَ فِی الصِّدِّیْقِ کَذَا اٰیَۃً'' (صدیق کے بارے میں ایسی آیت اتری) اس سے ان کی فضیلت میں کسی آیت کا اترنا مراد لیتے ہیں۔ ابن الانباری کا مؤقف ہے کہ اس سے مراد ہے کہ ''خلق پر روزوں کے وجوب کے معاملے میں قرآن نازل ہوا'' جس طرح کہ یہ کہا جائے کہ ''أَنْزَلَ اللّٰہُ فِی الزَّکَاۃِ کَذَا وَ کَذَا'' (اللہ تعالیٰ نے زکوۃ کے بارے میں یہ یہ آیات نازل کیں) اس کا قائل مراد یہ لیتا ہے کہ ''ان کے وجوب کے بارے میں نازل کیا'' اسی طرح ''أُنْزِلَ فِی الْخَمْرِ کَذَا'' (شراب کے بارے میں یہ حکم نازل ہوا) قائل کی مراد ہوتی ہے کہ اس کو حرام قرار دینے کی بابت حکم نازل کیا۔''(۶)

عربی زبان وادب سے محاوروں کے انتخاب اور ان سے استدلال کی داد نہ دی جائے تو زیادتی ہوگی۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ یہ ساری محنت حقیقت سے نظریں چرانے کے لئے کی گئی ہے۔ اس اصول یا اسلوب کو اگر درست مان لیا جائے تو، عیاذاً باللہ تعالیٰ، قرآن حکیم کے کسی بھی حکم کو اس کی اصل وضع اور ساخت سے دور اور محروم کیا جا سکتا ہے۔ اہلِ علم پر یہ امر مخفی نہیں کہ کلام کو اس کی حقیقت پر محمول کرنا بہر طور اولیٰ اور افضل ہے۔ مجاز کی طرف رجوع کی اجازت اس وقت ہے کہ جب اس کا حقیقت پر عمل متعذر اور ناممکن ہو جائے۔ اقتباس مندرجہ بالا سے صاف طور سے عیاں ہے کہ یہ استدلال حقیقت سے مجاز کی طرف عدُول پر مبنی ہے۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ ''فِـیْ'' حرفِ جارہ کے استعمال کے معاملے میں اولیت ظرفیت کو حاصل ہے۔ اس جگہ یہی حقیقت ہے۔ شیخ عبدالقاہر جرجانی کی تصریح ملاحظہ کیجیے۔ لکھتے ہیں:

وَ''فِـیْ'' لِلظَّرْفِیَّۃِ نَحْوُ ''اَلْمَالُ فِی الْکِیْسِ''. وَ''نَظَرْ تُ فِی الْکِتَابِ''. (۷) یعنی: اور ''فِیْ'' ظرفیت کے لئے موضوع ہے۔ جیسے: ''اَلْـمَالُ فِی الْکِیْسِ'' (مال بٹوے میں ہے) اور ''نَظَرْ تُ فِی الْکِتَابِ'' (میں نے کتاب میں دیکھا)

علامہ غلام جیلانی میرٹھی ''لِلظَّرْفِیَّۃِ'' کی مزید توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قَـوْلُـہٗ لِـلظَّرْفِیَّۃِ: یعنی اس پر دلالت کرنے کے لئے کہ مدخول ''فِیْ'' کسی چیز کے واسطے محل ہے۔ اگر حقیقۃً ہو بایں طور کہ مکان ہے یا زمان تو ظرفیت حقیقیہ مکانی جیسے: ''اَلْـمَالُ فِی الْکِیْسِ'' یا زمانی جیسے: ''وَهُـمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَـغْـلِبُـوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ'' اور اگر مدخولِ ''فِیْ'' محل حقیقۃً نہیں بایں طور کہ مکان ہے نہ زمان تو ظرفیت مجازیہ ہے جیسے: تَفَکَّرْتُ فِی الْعِلْمِ۔ (۸)

ظرف اور مظروف کے تعلق سے یہ اصول بہت اہم ہے کہ ظرف ذی احتواء ہو اور مظروف ذی حیز شے ہو تو مجاز کی طرف عدول اور رجوع کی گنجائش نہیں رہتی۔ اور اس امر میں کسی کے لئے کسی کلام کی گنجائش نہیں ہے کہ آیتِ زیرِ بحث میں ماہ رمضان المبارک ظرفِ ذی احتواء ہے اور نزول کا آغاز مظروف ذی حیز شے ہے۔ جمہور مفسرین کرام کے نزدیک بھی

"شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ" (البقرۃ:۱۸۵) میں یہ دونوں ہی پہلو موجود و مقصود بھی ہیں اور ملحوظ و معتبر بھی۔ لہٰذا زیرِ بحث مذہب کہ قرآن کے نزول کا آغاز ماہِ رمضان المبارک سے نہیں ہوا بلکہ آیت کا مقصود یہ ہے کہ ماہِ رمضان المبارک کی فضیلت میں قرآن کا نزول ہوا، کسی طور لائق اعتناء نہیں رہ جاتا۔ اس طرح کی ڈیڑھ اینٹ کی اپنی اپنی الگ مسجدیں کھڑی کرنے کے نتیجے میں امت کی وحدتِ فکر و عمل، یکجہتی اور ہم آہنگی بری طرح سے پامال اور پارہ پارہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ نیز ان حالات میں قوت فیصلہ بھی سلب ہو کر رہ جاتی ہے۔ ان فقہی تفریعات کو اگر طلبہ کا ذہن آزمانے کے لیے تفریحات کے درجے میں رکھا جائے تو اس نوع کی شوقیہ خیال آرائی کی گنجائش تو نکل سکتی ہے۔ قرآن و حدیث کا معاملہ ہو تو مراد و مقصود سے سرمو انحراف کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ روایتی طور پر یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ جس کی نگاہ جس ماخذ تک گئی یا جس ماخذ کو اس نے من حیث المجموع معتبر سمجھ لیا اسی کی بیان کردہ روایت کو آگے بڑھا دیا۔ چنانچہ صاحبِ تفسیر حقانی نے ایک دیانتدارانہ فرض کی ادائیگی کے طور پر اس قول پر مبنی روایت کو آگے بڑھایا ہے۔ لکھتے ہیں:

بعض کہتے ہیں کہ "اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ" سے مراد یہ نہیں کہ رمضان میں قرآن اترا بلکہ رمضان کی شان میں قرآن اترنا مراد ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں: اُنْزِلَ فِیْ عَلِیٍّ وَ اُنْزِلَ فِیْ عُمَرَ۔ (۹)

یہ ایک اندوہناک حقیقت ہے کہ مسلم امہ میں پایا جانے والا اس نوع کا ذہنی و فکری خلفشار صدیوں تک پالا پوسا گیا ہے۔ یہ بلا وجہ اور بلا ضرورت دوسروں سے اختلاف رائے رکھنے اور اسے نبھاتے چلے جانے کی رِیت خود رو پودوں کی طرح ذہن کی کھیتیوں کو پورا نقصان پہنچاتی ہے۔ خودرَو پودوں کی یہ تو خوبی ہے کہ بھلے سے اپنا بیج آگے بڑھا کر ہی مگر کچھ عرصے کے لیے نظروں سے اوجھل تو ہو جاتے ہیں۔ عارضی ہی سہی کچھ راحت ضرور ملتی ہے۔ مگر اس نوع کی بقراطیاں معتبر و متداول کتب کے صفحات کی زینت بن کر امر ہو جاتی ہیں۔ صدیوں ایسی پود کی آبیاری کا ثمرہ اور منطقی نتیجہ ہے ہماری قوم آج فکری و عملی اور اعتقادی اعتبار سے سینکڑوں اور ہزاروں نہیں بلکہ ان گنت گروہوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ایسی ہی کچھ روایات و وجوہات پیشِ نظر تھیں جن کے باعث علامہ اقبال نے فرمایا تھا ؎

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی

مسلمانوں میں عالمی بیداری کی لہر جاری و ساری ہے بلکہ روز بروز طاقت پکڑ رہی ہے اور نئے نئے مرحلے اور سنگِ میل عبور کر رہی ہے۔ اس کے لیے سب سے بڑا خطرہ کسی ایک ہی بنیادی بات کے تعلق سے متقدمین و اسلاف اور ان کے خلف رواِفاضل و اکابر کے باہم معارض و متصادم اقوال و آراء ہیں۔ انسان سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ کدھر جائے۔ کس کی سنے اور مانے اور کس کو چھوڑ دے۔ ایسے میں بزرگانِ دین و شریعت کا بٹوارا ہو تو دلیل اپنا اعتبار اور اثر کھو بیٹھتی ہے۔ لہٰذا بہت ضروری ہے کہ اقوال و آرا کی اس گونا گونی سے نکال کر بنیادی باتوں کو تحقیق و تدقیق کے ذریعے سے ایسی حقیقی بنیادوں پر ثابت و قائم

کیا جائے جو ہر لحاظ سے قابل اعتماد و لائق بھروسہ ہوں۔ اور مختلف فیہ کے زمرے سے نکال کر ان بنیادی باتوں کو ایک متفق علیہ قدر کے طور پر اجاگر کر سکے اور منوا لے۔ آنے والے وقتوں میں اس بات کی بڑی قدر و قیمت ہوگی اور یہ ریت بے تحاشا فوائد و ثمرات کی حامل بھی ہوگی۔ بہت سے نقصانات سے بھی بچا جا سکے گا۔ زیر بحث قضیہ بھی اسی قبیل سے ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا بنی نوعِ انسان کے نام یہ آخری پیغام اس کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب انور پر قرآن مجید فرقان حمید کی صورت میں نازل ہوا ہے۔ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت قریشِ مکہ کی معزز ترین شاخ بنو ہاشم میں، مصری محقق و ہیئت داں جناب محمود پاشا فلکی کی تحقیق اور شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی کے قول مختار کی رو سے "۹ ربیع الاول، روز دوشنبہ، مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں" ہوئی تھی (۱۰)۔ آپؐ بچپن ہی سے حلیم الطبع اور منکسر المزاج واقع ہوئے تھے۔ اپنی قوم کی مشرکانہ حرکات و رسومات سے بیزار رہتے تھے۔ عادات صلح جویانہ اور خصائل کریمانہ تھے۔ آپؐ کا پورا عہدِ شباب بھی نہایت شفاف تھا۔ قبیلہ قریش کی شاخ بنو ہاشم سے آپؐ کی وابستگی کے باعث جزیرہ نمائے عرب اور گرد و پیش کے حلیف ممالک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور عظمت اور خاندانی شرف و وقار کی جڑیں بہت گہری تھیں۔ آخر آخر میں وقتی طور پر اگرچہ بنی ہاشم مالی لحاظ سے خاصے کمزور ہو گئے تھے۔ اور مناسب موقع پا کر دیگر کچھ قبائل قریش نے بھی اپنا رسوخ بڑھا لیا تھا۔ مگر دیگر حریفوں پر فوقیت و برتری اور عظمت و شرافت کے معاملے میں تاریخ، ہاشم اور بنو ہاشم کے حق میں فیصلہ دے چکی تھی اور مسلسل دیتی رہی۔ یہ فیصلے کچھ اس نوعیت کے تھے کہ لوگوں کے حافظے سے ان فیصلوں کے نقوش و اثرات محو ہونے کے نہ تھے۔ قبیلۂ قریش پورے عالمِ عربی کے لئے مذہبی و سیاسی اعتبار سے مقتدا اور پیشوا کا درجہ رکھتا تھا۔ اور بنو ہاشم پورے قبیلۂ قریش کے مقتدا اور پیشوا کا درجہ رکھتے تھے۔ اس لحاظ سے ایک نمایاں ترین مقام پر ہونے کے ناطے چونکہ سب کی نگاہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرکوز رہی تھیں اس لئے اس دلیل کی معنویت کئی چند ہو جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ماضی سب کا دیکھا بھالا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

قُلْ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَ لَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (یونس:۱۶)

"آپ فرما دیجیے: اگر اللہ چاہتا تو اس (قرآن حکیم) کو میں نے تم پر تلاوت نہ کیا ہوتا اور نہ اس نے تمہیں اس کی خبر دی ہوتی، میں نے تو تمہارے درمیان رہتے عمر کا ایک معتدبہ حصہ گزارا ہے، کیا تم سمجھتے نہیں؟"

پیر کرم شاہ الازہری، آیت کے اس حصے میں مضمر پیغام پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ذرا سوچو تو میں چالیس سال کا عرصہ دراز تمہارے درمیان گزار چکا ہوں۔ کیا میں نے پہلے بھی کبھی ایسی بات کہی تھی؟ جب میری صداقت، میری سچائی، میری دیانت و امانت تمہارے نزدیک بھی ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے تو میری بات

کو مان لو کہ یہ کلامِ الٰہی ہے۔(۱۱)

پختگی کی عمر قریب آتی گئی۔اب تک بیت اللہ کے اندر اور باہر جو جو مشرکانہ افعال اور سرگرمیاں وقوع پذیر ہوتی رہیں، سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں تھیں۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعِ سلیم پر گراں تھیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم گوشہ نشیں وخلوت گزیں رہنے لگے۔قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری لکھتے ہیں:

بعثت سے سات برس پہلے ایک روشنی سی نظر آنے لگی تھی۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس روشنی کے معلوم سے خوش ہوا کرتے تھے۔اس چمک میں کوئی آواز یا صورت نہ ہوتی تھی۔ بعثت کا زمانہ جس قدر قریب ہوتا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج میں خلوت گزینی کی عادت بڑھتی جاتی تھی۔(۱۲)

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

اَوَّلُ مَا بُدِیَٔ بِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنَ الْوَحْیِ الرُّؤْیَا الصَّالِحَۃَ فِی النَّوْمِ فَکَانَ لَا یَرٰی رُؤْیَا اِلَّا جَآءَ تْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُبِّبَ اِلَیْہِ الْخَلَآءَ. وَکَانَ یَخْلُوْ بِغَارِ حِرَآءَ فَیَتَحَنَّثُ فِیْہِ وَ ھُوَ التَّعَبُّدُ اللَّیَالِیْ ذَوَاتَ الْعَدَدِ قَبْلَ اَنْ یَّنْزِعَ اِلٰی اَھْلِہٖ وَ یَتَزَوَّدُ لِذٰلِکَ ثُمَّ یَرْجِعُ اِلٰی خَدِیْجَۃَ فَیَتَزَوَّدُ لِمِثْلِھَا حَتّٰی جَآءَ ہُ الْحَقُّ وَھُوَ فِیْ غَارِ حِرَآءَ.(۱۳)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی پہل رویائے صادقہ سے ہوئی۔آپؐ جب بھی کوئی خواب دیکھتے تو اس کی تعبیر روزِ روشن کی طرح سامنے آجاتی۔پھر آپؐ کو خلوت بھلی لگنے لگی۔آپؐ غارِ حراء میں خلوت گزیں ہو جاتے اور وہاں پر ''تَحَنُّث'' فرماتے جو کہ عبادت کی ایک شکل تھی۔کئی کئی راتیں یونہی بسر ہو جاتی تھیں کہ آپؐ گھر ہی تشریف نہ لاتے۔آپؐ اس خلوت گزینی کے عرصہ کے لئے زادِ ساتھ لے کر جاتے تھے۔پھر حضرت خدیجہ کے پاس آتے اور زاد لے کر پھر تشریف لے جاتے تھے چنانچہ جب وحی نازل ہوئی اس وقت بھی آپؐ غارِ حراء میں ہی تھے۔''

یہ سب کن وقتوں کی بات ہے؟ کوئی عندیہ نہیں ملتا۔ خیال یہ ہے کہ ابھی تاریخ کا سرمایہ محدود اور اثرات کم تھے۔چنانچہ واقعات کے اجمالی بیان ہی کو کافی سمجھا گیا۔وقوعہ کے وقت اور تاریخ کا تعین وتشخص چونکہ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا اس لیے ضروری نہیں سمجھا گیا۔مگر آج جب چودہ صدیاں بیت چکی ہیں یہ سوال اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ نزولِ قرآنِ حکیم کا آغاز کس ماہ کی کس تاریخ اور کس دن سے ہوا تھا؟

نزولِ قرآن کی تاریخ کے تعین کے معاملے میں محققین کے درمیان جو اختلاف ہے اگلے وقتوں میں اس سے چند مکاتب کی تشکیل بھی ہوئی ہے۔ایسے ہی تین مکاتبِ فکر کا تذکرہ علامہ طبری نے کیا ہے۔عام رواج یہ رہا ہے کہ انہی میں

سے کسی ایک کو اختیار کرلیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس ضمن میں پورے وثوق کے ساتھ کسی مؤقف کو ترجیح دینے کے معاملے میں گریز ہی پایا گیا۔ مشہور مؤرخ علامہ طبری نے متذکرہ بالا تینوں مکاتبِ فکر کی آراء اور ان کے دلائل بھی یکجا ذکر کئے ہیں۔ خلاصہ ملاحظہ کیجیے:

مذہبِ اول: پیر کے روز پر سب کے اتفاق کا حوالہ دینے کے بعد لکھتے ہیں:

وَ اخْتَلَفُوْا فِیْ اَیِّ الْاَثَانِیْن کَانَ ذٰلِکَ؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: نُزِّلَ الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم لِثَمَانِیَ عَشَرَةَ خَلَتْ مِنْ رَمَضَانَ

''اس امر میں اہلِ علم کا اختلاف ہے کہ نزولِ قرآن کا آغاز کس پیر کے روز سے ہوا؟ کچھ نے کہا ہے کہ یہ رمضان کی اٹھارہویں رات تھی۔''

دلیل: اس مکتبۂ فکر کے مؤیدین حضرت ابوقلابہ عبداللہ بن زید جرمی کے قول پر اعتماد کرتے ہیں۔ علامہ طبری لکھتے ہیں:

أَنَّهُ کَانَ یَقُوْلُ، فِیْمَا بَلَغَهُ وَ انْتَهٰی اِلَیْهِ مِنَ الْعِلْمِ: أُنْزِلَ الْفُرْقَانُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم لِثَمَانِیَ عَشَرَةَ خَلَتْ مِنْ رَمَضَانَ.

''کہ جو خبر اور علم آپ رضی اللہ عنہ تک پہنچا اس کی روشنی میں آپ فرمایا کرتے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رمضان کی اٹھارہویں رات سے نزولِ قرآن کا آغاز ہوا۔''

مذہبِ ثانی: دوسرے مکتبۂ خیال کے لوگ کہتے ہیں:

بَلْ أُنْزِلَ لِاَرْبَعَ وَ عِشْرِیْنَ لَیْلَةً خَلَتْ مِنْهُ

''نہیں بلکہ رمضان کی چوبیسویں رات سے آغاز ہوا۔''

دلیل: اس مکتبِ فکر کے مؤیدین حضرت ابوالجلد کے قول پر اعتماد کرتے ہیں۔ علامہ طبری ان کی دلیل نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عَنْ أَبِی الْجَلَدِ، قَالَ: نُزِّلَ الْفُرْقَانُ لِاَرْبَعَ وَ عِشْرِیْنَ لَیْلَةً خَلَتْ مِنْ رَمَضَانَ

''حضرت ابوالجلد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں: نزولِ فرقان کا شروع رمضان کی چوبیسویں رات سے ہوا تھا۔''

مذہبِ ثالث: اس نقطۂ نظر کے حامیوں کا خیال ہے:

بَلْ نُزِّلَ لِسَبْعَ عَشَرَةَ خَلَتْ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ.

''نہیں بلکہ سترہ رمضان سے شروع ہوا تھا۔''

دلیل: ان کی دلیل قرآنِ حکیم کی حسبِ ذیل آیتِ مبارکہ ہے:

وَ اسْتَشْهَدُوا لِتَحْقِيقِ ذٰلِكَ بِقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ﴾

"اس مکتبۂ خیال نے اپنے مؤقف کی تحقیق کے لئے اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ پاک: وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ (الانفال:۴۱) "اور جو کچھ بھی ہم نے اپنے بندے پر اتارا فیصلے کے روز، جب دونوں جمعیتوں کے مابین تصادم رونما ہوا۔" سے استشہاد کیا ہے۔"

طبری نے ان مکاتبِ فکر کی یہی ترتیب رکھی ہے۔اور اہل علم کا چونکہ دستور ہے کہ جس قول کو خود اختیار کرتے ہیں اسے حرفِ آخر کے طور پر سب سے آخر میں بیان کرتے ہیں۔لہٰذا مذہبِ ثالث کی طرف آپ کے میلانِ طبع کا اظہار حسبِ ذیل کلمات سے بھی ہوتا ہے:

وَ ذٰلِكَ مُلْتَقٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَالْمُشْرِكِيْنَ بِبَدْرٍ، وَ أَنَّ الْتِقَاءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَالْمُشْرِكِيْنَ بِبَدْرٍ كَانَ صَبِيْحَةَ سَبْعَ عَشْرَةَ مِنْ رَمَضَانَ. (۱۴)

"اس سے مراد بدر کے میدان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرکینِ مکہ کے ساتھ معرکہ ہے۔اور معرکۂ بدر سترہ رمضان کی صبح کو وقوع پذیر ہوا تھا۔"

پچھلے دونوں نکتہ ہائے نظر کا ضعف واضح ہے۔اب علامہ طبری کے مختار مؤقف کے ضمن میں چند باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔مندرجہ بالا آیتِ مبارکہ غزوۂ بدر کے اموالِ غنیمت کی تقسیم کا طریقہ اور قانون وضع کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے۔اس آیۂ مبارکہ میں "ما" اسم موصول ہے جس میں تعمیم کا عنصر بکمالہ پایا جاتا ہے۔لہٰذا قرآنِ حکیم تک اس کا حصر بلا دلیل ہے۔اس آیۂ مبارکہ سے مراد وہ تمام تائیدات اور نعمتیں بھی ہیں جو اس عظیم الشان فتح کا موجب ہوئیں اور حق و باطل کے درمیان فرق پیدا کرنے اور ایک حدِ فاصل قائم کرنے کا باعث بنیں۔مزید برآں یہ دونصوص صریحہ قرآنیہ کے ساتھ بایں طور متصادم ہے کہ سورۂ دخان اور سورۂ قدر میں نزول قرآن کا ذکر دن کے بجائے رات کے ساتھ معین ہوکر آیا ہے اور معرکۂ بدر رات کو نہیں دن کو وقوع پذیر ہوا تھا۔

دیگر اہل علم نے بھی اتباع و پیروی ہی کو اپنا شعار بنائے رکھا ہے۔ابنِ اثیر لکھتے ہیں:

"اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ آپؐ پر نزولِ قرآن کا آغاز پیر کے روز سے ہوا۔تاہم اس امر میں اختلاف ہے کہ کس تاریخ کے پیر سے ہوا؟ حضرت ابوقلابہ جرمی رضی اللہ عنہ کے بقول: نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ قرآن کا آغاز رمضان کی اٹھارہویں رات سے ہوا۔اور کچھ اور لوگوں کا کہنا ہے کہ رمضان کی انیسویں رات سے آغاز ہوا۔" (۱۵)

متاخرین میں سے علامہ خضری نے بھی نزولِ قرآن کے آغاز کی تاریخ سترہ رمضان ہی بیان کی ہے۔لکھتے ہیں:

نزولِ قرآن کا زمانہ دو الگ الگ حصوں میں منقسم ہے۔ جو باہم ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ پہلا دور مکی کہلاتا ہے۔ اس کی ابتدا سترہ رمضان ۴۱سنِ ولادتِ نبوی سے ہوتی ہے۔(۱۶)

متقدمین کے بیانات سے خوشہ چینی کے بعد قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری لکھتے ہیں:

جب آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس قمری سال پر ایک دن اوپر ہوا تو ۹ ربیع الاول سن ۴۱ میلادی، مطابق: ۱۲ فروری سن ۶۱۰ء کو بروز دوشنبہ روح الامین خدا کا حکم لے کر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں تھے۔(۱۷)

اگلے ہی صفحے پر مزید لکھتے ہیں:

''کچھ دنوں'' بعد فرشتہ پھر آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنہوں نے اب تک لکھنا پڑھنا نہ سیکھا تھا، خدا کا وہ پاک کلام پڑھایا جو سارے علموں کی کنجی اور ساری حقیقتوں کا خزانہ ہے۔ روح الامین نے ان آیات کو پڑھایا تھا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اقرأ...الی ... مالم یعلم''

پھر حاشیے پر ''کچھ دنوں'' کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علما کا اتفاق ہے کہ ولادت باسعادت بماہِ ربیع الاول ہوئی، نیز اتفاق ہے کہ ابتدائے وحی اکتالیسویں سال کے شروع میں ہوئی۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ابتدائے وحی بھی بماہِ ربیع الاول ہوئی۔ مگر قرآن مجید سے ثابت ہے کہ قرآن مجید کا نزول رمضان المبارک میں ہوا پس نتیجہ یہ ہے کہ ابتدائے نزول بماہِ رمضان ہے۔ کچھ دنوں سے مراد اس عرصے کا درمیانی فاصلہ تقریباً چھ ماہ ہے جس میں رؤیائے صادقہ آتے رہے جو نبوت کا چھیالیسواں حصہ (۲۳ سالہ عہدِ نبوت کا چھیالیسواں حصہ = چھ ماہ) تھے۔ امام طبری نے نزولِ قرآن کی تاریخ ۱۷ تا ۱۸ رمضان روایت کی ہے۔ چونکہ اٹھارہ رمضان سن ایک نبوت کو یومِ جمعہ تھا، مطابق ۱۰ اگست ۶۱۰ عیسوی اس لئے نزولِ قرآنِ مجید شبِ جمعہ ۱۸ رمضان کو تھا۔(۱۸)

ان سطور سے صاف عیاں ہے کہ اس معاملے میں صاحبِ ''رحمۃ للعلمین'' نے اپنی روایتی تحقیق کی بجائے محض سرسری قیاس آرائی پر اکتفاء کیا ہے۔ پہلا تأثر جو قاری کے ذہن میں ابھرتا ہے وہ یہ کہ سورۂ علق کی ابتدائی آیات پر مشتمل وحی لانے سے قبل ہی حضرت جبرائیل علیہ السلام کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شناسائی ہو چکی تھی۔ یہ مؤقف بلا دلیل ہی نہیں نیا بھی ہے۔ لہٰذا زیادہ لائق اعتناء نہیں۔ پھر یہ کہ پہلے تو یہ لکھ دیا کہ ''جب آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال قمری پر ایک دن اوپر ہوا تو ۹ ربیع الاول سن ۴۱ میلادی، مطابق: ۱۲ فروری سن ۶۱۰ کو بروز دوشنبہ روح الامین خدا کا حکم لے کر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے'' چالیس سال قمری پر ایک دن اوپر ہونے کا نتیجہ انہوں نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے قول: ''وَهُوَ ابْنُ اَرْبَعِيْنَ'' سے اخذ کیا ہے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اس جملے سے پورے چالیس سال کا تعین ایک مشکل امر ہے۔ اہلِ زباں جب ان الفاظ میں کسی کی عمر بتاتے ہیں تو اس سے ان کی مراد ٹھیک چالیس سال کبھی نہیں

ہوتی۔نہ ہی سامع ایسا کوئی تأثر لیتا یا لے سکتا ہے۔پھراس رائے کی ان روایات کے ساتھ بھی منافات ظاہر ہے جو صاف طور پر رمضان کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔اور جن کا مؤید خود قرآنِ حکیم ہے۔مزید برآں پیر کے روز روزہ رکھنے کے بارے میں مروی احادیث اور علامہ طبری کے حوالے سے اوپر گزر چکا ہے کہ اہلِ علم کا اس امر پر اتفاق چلا آرہا ہے کہ نزولِ قرآن کا آغاز پیر کے روز سے ہوا۔لہٰذا یہ تسلیم کرنے کی بھی کوئی بنیاد نظر نہیں آتی کہ ''نزولِ قرآن مجید شبِ جمعہ ۱۸رمضان کو تھا''۔

سطورِ بالا میں دیکھا گیا ہے کہ اہلِ علم آغازِ وحی کے دن تاریخ اور مہینہ کی تعیین کے معاملے میں مختلف الرائے ہیں۔ اختلافِ رائے کو رحمت سے صرف اسی صورت میں تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ جب مختلف اقوال و آراء کو یکجا کرکے ان میں سے ایک معتدل و متوازن قول کشید کرلیا جائے۔ بصورتِ دیگر سراسر نقصان ہے۔اب سطورِ ذیل میں کچھ دیگر محققین کے بیانات اور ان کے دلائل کا جائزہ لیتے ہوئے کسی نتیجہ تک پہنچنے کی سعی کی جائے گی۔نزولِ قرآن کی تاریخ کے تعین کے حوالے سے سب سے جامع بیان صاحبِ ''ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' پیر کرم شاہ الازہری اور صاحبِ ''الرحیق المختوم'' صفی الرحمٰن مبارکپوری کا ہے۔گو کہ مبارکپوری نے خود لکھا ہے کہ ''مجھے اس کا کوئی قائل نظر نہیں آیا'' مگر قاری کے لئے انہوں نے اس مؤقف کی صحت پر عدمِ اعتماد کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔دونوں محققین نے اپنے اپنے انداز میں مگر حتمی نتیجہ تک پہنچنے کے لئے ان نکات کو پیشِ نظر رکھنے کا التزام کیا ہے:

اولاً:نزولِ قرآنِ حکیم کے باب میں حسبِ ذیل قرآنی تصریحات:

الف: ''شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ أُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ'' (البقرۃ:۱۸۵)

''رمضان کا مہینہ ہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔''

ب:''اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ'' (الدخان:۳)

''حقیقت یہ ہے کہ ہم ہی نے اس کو ایک برکت والی رات میں اتارا ہے، یقیناً ہم ہی لوگوں کو عذاب کے خطرات سے آگاہ کرنے والے ہیں۔''

ج:''اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ'' (سورۂ قدر، پہلی آیت مبارکہ)

''حقیقت یہ ہے کہ ہم ہی نے اس کو لیلۃ القدر میں اتارا ہے۔''

ان آیات کو یکجا کرکے دیکھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآنِ حکیم دن کے اوقات میں نہیں بلکہ رات کا وقت تھا جب نازل ہونا شروع ہوا۔قرآنِ حکیم اس رات کو لیلۂ مبارکہ کے نام سے موسوم کرتا ہے یا اس کو لیلۂ قدر کا نام دیتا ہے۔اس بات کی تائید صاحبِ مناہل العرفان کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔لکھتے ہیں:

دَلَّتْ هٰذِهِ الْاٰیَاتُ الثَّلاثُ عَلٰی اَنَّ الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ فِیْ لَیْلَةٍ وَّاحِدَةٍ تُوْصَفُ بِاَنَّهَا مُبَارَكَةٌ أَخْذًا مِّنْ اٰیَةِ الدُّخَانِ. وَتُسَمّٰی لَیْلَةَ الْقَدْرِ أَخْذًا مِّنْ اٰیَةِ سُوْرَةِ الْقَدْرِ. وَهِیَ

مِنۡ لَیَالِیۡ شَھۡرِ رَمَضَانَ أَخۡذًا مِّنۡ اٰیَۃِ الۡبَقَرَۃِ.(۱۹)

''ان تین آیات کی دلالت اس امر پر ہے کہ قرآنِ حکیم ایک ہی رات میں اتارا گیا جسے سورۂ دخان والی آیت کی روشنی میں ''بابرکت رات'' اور سورۂ قدر والی آیت کی روشنی میں ''قدر والی رات'' کہا گیا ہے۔اور سورۂ بقرہ کی آیتِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رمضان المبارک کی راتوں میں سے کوئی رات ہے۔''

ثانیاً: پیر کے روز کے تعین کے لئے حضرت ابوقتادہ اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث کی رعایت و لحاظ۔امام مسلم حضرت ابوقتادہ سے روایت کرتے ہیں:

اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم سُئِلَ عَنۡ صَوۡمِ الۡاِثۡنَیۡنِ فَقَالَ فِیۡہِ وُلِدۡتُّ وَ فِیۡہِ اُنۡزِلَ عَلَیَّ(۲۰)

''کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے روز روزہ رکھنے کی بابت دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: یہی وہ دن ہے جس میں میری ولادت ہوئی اور جس میں مجھ پر قرآن اتارا گیا۔''

ثالثاً: تقویم کی مدد سے سالِ بعثت کے رمضان المبارک میں پیر کے دنوں اور ان کی تواریخ کا تعین۔اس سال رمضان کی ۷،۱۴،۲۱،۲۸ تاریخوں میں پیر کا دن پڑتا ہے۔اور چونکہ لیلۃ القدر رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی رات ہے۔اس لئے اس سال رمضان المبارک کے آخری عشرے کے حصے میں جو دو پیر کے دن آئے ان میں سے پہلا یعنی ۲۱ رمضان المبارک ہی طاق عدد ہے۔اس طرح سے یہ طے ہو جاتا ہے کہ نزولِ وحی کا آغاز جب ہوا تو اکیسویں رمضان کی شب تھی۔(۲۱)

مبارکپوری کے اپنے الفاظ میں اس پوری تقریر کا ماحصل یہ ہے:

''ہماری تحقیق کے مطابق یہ واقعہ رمضان المبارک کی ۲۱ تاریخ کو دوشنبہ کی رات میں پیش آیا۔اس روز اگست کی ۱۰ تاریخ تھی اور سن ۶۱۰ عیسوی تھا۔قمری حساب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال چھ مہینے بارہ دن اور شمسی حساب سے ۳۹ سال تین مہینے بائیس دن تھی۔''(۲۲)

پیر کرم شاہ الازہری کی تحقیق بھی وہی ہے جو مبارکپوری کی تحقیق ہے۔متذکرہ بالا جملہ دلائل کے حسنِ ترتیب سے اخذ واستنباط کرتے ہوئے آپ بھی اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ نزول قرآن حکیم کی مبارک ومسعود شروعات رمضان المبارک کی اکیسویں شب سے ہوئی ہے۔ایک جامع مگر اجمالی بیان پر مشتمل ایک قدرے طویل اقتباس ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مستعار لیا گیا ہے۔ملاحظہ فرمائیے:

''نصِ قرآنی سے ثابت ہے کہ نزول قرآن کا آغاز ماہِ رمضان میں ہوا یہ بھی آیتِ قرآنی سے ثابت ہوا کہ جس رات

میں اس کا نزول ہوا اس رات کا نام لیلۃ القدر ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضور نے پہلے ارشاد فرمایا کہ لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرے میں تلاش کرو۔ مزید کرم فرمایا اور امت کی سہولت کے پیشِ نظر اس کو آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کی ترغیب دی۔ ان آیات اور روایات کے مطالعے سے ہم با آسانی اس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ نزول قرآن کا آغاز اکیسویں، تیئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں راتوں میں سے کسی ایک رات میں ہوا۔ ان پانچ راتوں میں سے وہ کون سی مخصوص رات ہے جس کو یہ سرمدی شرف واعزاز نصیب ہوا تو اس بارے میں بھی زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اَور حدیث پاک ہمیں اس الجھن سے نکالنے کے لیے کافی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ ہر سوموار کو عام طور پر روزہ رکھا کرتے تھے۔ حضرت ابوقتادہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ سوموار کے دن اکثر روزے کیوں رکھتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فِیْهِ وُلِدْتُّ وَ فِیْهِ اُنْزِلَ عَلَیَّ. اور دوسری روایت میں ہے:

ذٰلِکَ یَوْمٌ وُلِدْتُّ فِیْهِ وَ یَوْمٌ بُعِثْتُ اَوْ اُنْزِلَ عَلَیَّ فِیْهِ.

''کہ اسی دن میری ولادت ہوئی اور اس دن میں مبعوث ہوا اور مجھ پر قرآن نازل ہوا۔'' (صحیح مسلم)

اب ان پانچ راتوں میں سے یہ دیکھنا ہے کہ سوموار کی رات کون سی تھی؟ اگر یہ معلوم ہو جائے تو پھر یہ مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔ تقویمِ علمی کے حساب سے اس آخری عشرے میں سوموار کی دو راتیں بنتی ہیں۔ ایک اکیسویں اور ایک اٹھائیسویں۔ طاق رات کیونکہ اکیسویں ہے اس لیے ان دلائل کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا قرینِ صحت ہے کہ اکیس رمضان المبارک کی بابرکت رات میں نزولِ قرآن کا آغاز ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ اقدس پر ختم نبوت کا تاج سجا کر اور رحمت للعلمین کی خلعتِ فاخرہ پہنا کر خفتہ بخت انسانیت کی تقدیر کو جگانے کے لیے مبعوث فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔'' (۲۳)

قوم کی حیات نو کا سب سے اہم اور بڑا مطالبہ وحدتِ فکر و عمل کا قیام اور یکجہتی وہم آہنگی کا فروغ ہے۔ اب اس ضرورت کا احساس عام اور ہر سو ہے۔ حتیٰ کہ اس احساس کے تحت مختلف گروہ بھی لچک اور آمادگی کا عندیہ دے رہے ہیں۔ ان حالات میں اہل علم و دانش کی ذمہ داری ہے کہ قبل اس کے کہ مختلف مذاہب و مسالک کی طرف سے دکھائی جانے والی یہ لچک پھر کسی نئی سختی کا روپ دھار لے اسے وسیع تر قومی مفاد کی مضبوط گرفت میں لانے کے لیے اقدامات کریں۔ اسی طرح اہل علم و دانش میں سے جس کی تحقیق بھی دھندلکوں سے نکال کر روشن راہوں پہ قوم کو لا سکے اس کی پذیرائی اور تحسین لازم ہے۔ یہ اللہ کا خصوصی فضل و کرم ہے۔ وہ جسے چاہے نواز دے۔ اس عقدہ کشائی کا شرف متاخرین کے مقدر میں طے تھا تو اپنے وقت پر ظہور پذیر ہوا۔ محنت کسی کی بھی ہو رائیگاں کبھی نہیں جاتی۔ بڑوں کی توجہ اگر کچھ پہلوؤں پر نہیں پہنچ سکی تو ان کا بڑا پن اپنی جگہ برقرار ہے۔ نہ رتبہ کم ہوا نہ قد کاٹھ میں فرق آیا۔ ان کی عظمت واحترام کو سلامت رکھتے ہوئے تحقیق وجستجو کا عمل جاری وساری رہنا

چاہیے۔اس میں بڑوں کی ہتک کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نکتہ ہمیں قرآن حکیم نے ہی دیا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ. فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْماً وَعِلْماًo (الانبیآء:۷۸و۷۹)

''اور یاد کیجیے: داؤد اور سلیمان (علیہما السلام) کو جب وہ کھیت کا فیصلہ کر رہے تھے جب ایک قوم کے ریوڑ نے اس میں تباہی ڈال دی تھی اور ہم ان کے فیصلہ دہی کے عمل کا مشاہدہ کر رہے تھے۔تو ہم نے فیصلہ دہی کا صحیح عمل سلیمان کو سمجھا دیا، ہاں البتہ سب (انبیاء ورسل) کو ہم نے فیصلہ دہی کی اہلیت اور علم دے رکھا ہے۔''

حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام صاحبِ کتاب پیغمبر ہیں، بزرگ ہیں والد گرامی ہیں اور سیدنا سلیمان علیہ السلام ان کے ایک کمسن فرزند ہیں۔مگر عطائے ربی ہے۔مجال ہے کہ شانِ داؤدی میں ذرہ برابر بھی کوئی فرق آیا ہو۔فیصلہ دے چکے تو معلوم ہوا کہ سلیمان نے زیادہ بہتر فیصلہ کیا ہے۔اپنا حکم منسوخ فرما کر اپنے کمسن فرزند کے حکم کو اپنایا اور اسے جاری و نافذ فرما دیا۔ علامہ جار اللہ زمخشری کے بیان کے مطابق حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام نے سیدنا سلیمان علیہ السلام سے اس موقع پر فرمایا تھا:

اَلْقَضَآءُ مَا قَضَيْتَ، وَ اَمْضَى الْحُكْمَ بِذَالِكَ. (۲۴)

''فیصلہ وہی رہے گا جو تم نے صادر کیا۔اور پھر اسی کے مطابق حکم جاری فرما دیا۔''

یہ نکتہ سب بڑوں اور چھوٹوں کو از برا ور پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔یہ رویہ قطعی طور پر غیر علمی اور غیر سائنسی ہے کہ اتنے بڑے بڑے علماء ہو گزرے ہیں ان میں سے تو کسی کو یہ بات سمجھ نہیں آئی آج کے کسی آدمی کو کیسے مان لیا جائے کہ سمجھ آ گئی؟ یہ ایک روکھا پھیکا رویہ اور سوقیانہ طرزِ عمل ہے جو حد ہے کہ خاصے پڑھے لکھے لوگوں میں بھی پایا جاتا ہے اور حوصلہ شکنی کا باعث بنتا ہے۔عام طور پر کہا تو جاتا ہے کہ اجتہاد کا باب بند نہیں ہوا۔طلب و جستجو اور تحقیق و تدقیق کا عمل جاری و ساری ہے۔مگر یہ رویہ اور طرزِ عمل در حقیقت اس باب پر پڑے زنگ آلود قفل کی مانند ہے۔فقط قرآن حکیم کا عطا کردہ شعور ہی اس کی واحد کلید ہے۔اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی اور کوئی سبیل نہیں ہے۔اصولی بات یہ ہے کہ شخصی قد کاٹھ کی بجائے دلیل ہی کو معیار بنایا جائے اور اسی پر انحصار کیا جائے تو کوئی پریشانی ہو گی نہ کوئی بحران پیدا ہو گا۔

شخصی و گروہی نوعیت کی وابستگیاں جب معتبر ہو جائیں تو دلیل کی تاثیر جاتی رہتی ہے۔اور جس معاشرے سے دلیل کی تاثیر اٹھ جائے وہ بدامنی، افراتفری اور انتشار کا شکار ہو کر زوال آشنا ہو کر ہی رہتا ہے۔اسی طرح زوال سے چھٹکارا پانے کے لیے بھی ضروری ہے کہ دلیل کا احترام اور اعتبار معاشرے میں عام ہو جائے۔نزول قرآن کی مبارک ساعتوں کے تعین اور بیان کا معاملہ ہو تو اہل علم و دانش کی یہ تحقیق ہی اپنے اندر جامعیت اور حقیقت کا وزن رکھتی ہے۔اس میں اندازوں اور قیاس آرائیوں کی بجائے دلیل کا اعتبار بلکہ دلیل پر انحصار صاف جھلک رہا ہے۔ابھی بے شمار گرہیں ایسی

ہیں جن کا کھلنا ناگزیر ہے۔اسی طرح ایک ایک کر کے کھلیں گی۔مگر ایں اعزاز است کہ بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔پھر آنے والے وقتوں میں یہ یافت وحدتِ فکر وعمل کو ایک ٹھوس بنیاد مہیا کرے گی۔اس لیے اس روایت کا فروغ از بس ضروری ہے۔چنانچہ جملہ اہلِ علم وقلم حضرات کو اس پر غور کرنا چاہیے اور وحدتِ فکر وعمل کے قیام کی خاطر مدلل اور متفق علیہ مؤقف کو ہی اختیار اور عام کرنا چاہیے۔

خلاصہ بحث:

اسلام، امن وسلامتی اور فروغ وارتقاء کا دین ہے۔امن وسلامتی اور فروغ وارتقاء بنی نوع انسان کی آج سب سے بڑی ضرورت اور سب سے بڑی خواہش بن چکی ہے۔یہ قدرت کی سب سے بڑی نعمت ہے زندگی کے لیے۔آج اگر مسلمانوں کی حالت ابتری کا شکار ہے تو اس کی واحد وجہ قرآن حکیم اور دین اسلام سے دوری اور اس کی تعلیمات سے انحراف اور فرار ہے۔جب لوگ اجتماعی طور پر قدرت کی نعمتوں کی ناقدری کی راہ پر چلنے لگ جاتے ہیں تو قدرت ان سے وہ نعمت یا اس کے فیوض وبرکات چھین لیا کرتی ہے۔پھر مدتوں ترستے رہنے کے بعد اسی اجتماع سے نئی ضرورتوں کے احساس کے تحت نئی تحریکیں اٹھتی ہیں، مردہ ضمیری کے خلاف عملی اقدامات اٹھائے جاتے ہیں۔حالات بدلتے ہیں تو قدرت کی نعمتوں کے پھر سے نزول کے لیے مواقع سازگار اور امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔عصرِ حاضر کے موجودہ زمینی حالات بھی اسی بات کا عندیہ دے رہے ہیں کہ دنیا اس چھینا جھپٹی، لوٹ کھسوٹ اور بدامنی سے تنگ آکر ایک روز ایک نئی کروٹ لینے پر مجبور ہو جائے گی۔وہ دن اب زیادہ دور نہیں ہے۔عالمی سطح پر امن وسکون کا فقدان عالم گیر پیمانے پر اس کی طلب وجستجو کو تقویت دے گا جس کے نتیجے میں مطالبہ وعملی جدوجہد جنم لے گی اور دنیا ایک ایسے نظام کے سائے میں پناہ لینے پر آمادہ ہوگی جو حتمی طور پر حق وراستی، امن وسلامتی اور سکون وآسودگی کا نظام العمل ہوگا (ان شاء اللہ)۔یہ تمام خوبیاں صرف دینِ اسلام کے اندر ہی یکجا نظر آتی ہیں۔لہٰذا اس بات کے بہت واضح امکانات ہیں کہ لوگ بہت جلد عالمگیر پیمانے پر اس دین سے وابستگی اختیار کریں گے اور قرآن حکیم سے نورِ ہدایت پا کر کنارِ عافیت پر پہنچنے میں کامیاب ہوسکیں گے۔مگر اس راہ کی سب سے بڑی مشکل اس میں اقوال وآراء کی گونا گونی اور تنوع ہے۔ایک نوخیز قاری الجھن میں پڑ جاتا ہے کہ آخر کسے اختیار کرے اور کس قول کو چھوڑ دے؟ ایک قوم کی تشکیلِ نو کے لیے بنیادی وثانوی نوعیت کی اقدار کا متفق علیہ ہونا ضروری ہوتا ہے۔بصورتِ دیگر شیرازہ بکھرنے میں زیادہ وقت نہیں لگتا۔ان بدلے ہوئے حالات میں مختلف مذاہب ومسالک میں بھی اس ضمن میں خاصی لچک دیکھنے میں آرہی ہے۔چنانچہ موقع بہت مناسب ہے کہ اختلافی معاملات میں سے جہاں تک ممکن ہو سکے کانٹے چن کر راستے کو بے خار اور محفوظ بنا دینے کے عمل کی شروعات کردی جائے۔زیرِ نظر مضمون اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اور قرآن حکیم کے تعلق سے ایک اہم سوال کا ایک معتبر ومتوازن حل بھی پیش کرتا ہے۔

مراجع وحواشی

(۱) شبلی نعمانی، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج:۱ص:۹۔۱۰۸،طبع اول، کراچی، دارالاشاعت،۱۹۸۵

(۲) سعیدی، غلام رسول، علامہ، تبیان القرآن، ج:۱ص ۱۷۶، طبع ثالث، لاہور، فرید بک اسٹال،۱۹۹۹

(۳) قرطبی، محمد بن احمد، ابوعبداللہ، الجامع لاحکام القرآن، ج:۲ص:۲۹۳، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، بلاسنِ طباعت، زیرآیت ۱۸۵، البقرہ

(۴) آلوسی، محمود، ابوالفضل، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ج:۲، ح:۳ص:۶۱، ملتان، مکتبہ امدادیہ، بلاسنِ طباعت

(۵) ابن اسحٰق محمد، ابوبکر، المطلبی بالولاء، السیرۃ النبویہ لابن ھشام، ج:۱ص:۵۸-۱۵۷، ملتان، عبدالتواب اکیڈمی، بلاسن طباعت

(۶) رازی، محمد بن ضیاء الدین عمر، فخر الدین، تفسیر کبیر، ج:۵، ص:۹۴، مصر، المطبعۃ البھیۃ، ۱۳۰۲ھ

(۷) جرجانی، عبدالقاہر بن عبدالرحمٰن، شرح مائۃ عامل متن البشیر الکامل، ص:۲۴، کراچی، میر محمد کتب خانہ، بلاسنِ طباعت

(۸) میرٹھی، غلام جیلانی، سید، البشیر الکامل، ص:۲۴، کراچی، میر محمد کتب خانہ، بلاسنِ طباعت

(۹) حقانی، عبدالحق، ابومحمد، تفسیر حقانی، ج:۱ص:۴۵، دیوبند، کتب خانہ نعیمیہ، بلاسنِ طباعت

(۱۰) شبلی نعمانی، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج:۱ص:۹۔۱۰۸

(۱۱) الازہری، کرم شاہ، پیر، ضیاء القرآن، ج:۲ص:۲۸۶، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، جمادی الثانی:۱۴۰۲ھ، تفسیر آیتِ محولہ بالا

(۱۲) منصور پوری، محمد سلیمان، قاضی، رحمۃ للعٰلمین، ج:۱ص:۵۱، طبع اول، کراچی، دارالاشاعت، ۱۴۱۱ھ

(۱۳) بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، ج:۱ص:۲، طبع ثانی، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۶۱ء

(۱۴) طبری، محمد بن جریر، ابوجعفر، تاریخ الطبری، ج:۲ص:۹۴۔۲۹۳، مصر، دارالمعارف، ۱۹۶۹ء، (ملخصاً)

(۱۵) ابنِ اثیر، علی بن ابی الکرم محمد بن محمد، عزالدین، الکامل فی التاریخ، ج:۲ص:۴۶، بیروت، دارصادرودار بیروت، ۱۹۶۵

(۱۶) محمد خضری، تاریخ التشریع الاسلامی، ص:۶، پاکستان نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۹۳

(۱۷) منصور پوری، محمد سلیمان سلمان، قاضی، رحمۃ للعٰلمین، ج:۱ص:۵۲، کراچی، دارالاشاعت، ذوالحجہ:۱۴۱۱ھ

(۱۸) ایضاً ص:۵۳و۵۴

(۱۹) زرقانی، محمد عبدالعظیم، مناہل العرفان فی علوم القرآن، ج:۱ص:۳۷، مصر، داراحیاء الکتب العربیہ، بلاسنِ طباعت

(۲۰) قشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، ج:۱ص:۳۶۷، طبع ثانی، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۵۶

(۲۱) مبارکپوری، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم ص:۹۷و۹۸، لاہور، المکتبۃ السّلفیہ، اپریل:۱۹۹۹

(۲۲) ایضاً ص:۹۷

(۲۳) الازہری، کرم شاہ، پیر، ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج:۲ص:۸، ۲۰۷، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ربیع الاول ۱۴۲۰ھ

(۲۴) زمخشری، محمود بن عمر، جاراللہ، الکشاف، ج:۳ص:۱۲۸، بیروت، دارالکتاب العربی، فروری ۱۹۴۷ء